

بَالْجَرِيل

اقْبَال

اُٹھ کے خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں

غزلیات

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(بھرتری ہری)

حصہ اول

(۱)

میری نوائے شوق سے شور حريم ذات میں غافلہ ہائے الامان بہت کدھ صفات میں
خور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تجھیات میں میری نگاہ سے خلل تیری تجھیات میں
گرچہ ہے میری جتو دیر و حرم کی نقش بند میری فقاں سے رستقیز کعبہ و سونمات میں
گاہ مری نگاہ نیز چیر گئی دلی وجود گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہات میں

تو نے یہ کیا غصب کیا، مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو اک راز تھا سینہ، کائنات میں!

(۲)

اگر کچھ رہیں اٹھم، آساں تیرا ہے یا میرا مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی خطاکس کی ہے یا رب الامکاں تیرا ہے یا میرا؟
اے صحیح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر مجھے معلوم کیا، وہ راز داں تیرا ہے یا میرا؟
حمد بھی ترا، جریل بھی، قرآن بھی تیرا مگر یہ حرف شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا؟
اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالی آدم خاکی زیاد تیرا ہے یا میرا؟



ترے ششے میں مے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تو مرا ساتھی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیاسے کو شبتم
 بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(۳)

گیوئے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خرد شکار کر ، قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں ، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
تو ہے محیط بے کراں ، میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے ٹھہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو ٹوٹو مجھے گوہر شاہ ہوار کر
لغہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دم نیم سوز کو طاڑک بہار کر
بانی بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کار جہاں دراز ہے ، اب مرا انتظار کر

روزِ حسابِ جب مرا پیش ہو فتنہ عمل
آپ بھی شرمسار ہو ، مجھ کو بھی شرمسار کر

(۲)

اڑ کرے نہ کرے ، سن تو لے مری فریاد نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ ، آزاد
یہ مشت خاک ، یہ صرص ، یہ وسعت افلاک کرم ہے یا کہ ستم تیری لذت ایجاد !
ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمه گل یہی ہے فصل بھاری ، یہی ہے باہم راڈ ؟
قصور وار ، غریب الدیار ہوں لیکن ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
مری جفا طلبی کو دعائیں دینا ہے وہ دشت سادہ ، وہ تیرا جہان بے بنیاد
نظر پند طبیعت کو ساز گاہ نہیں وہ گلستان کہ جہاں گھات میں نہ ہو سیاد
مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

(۵)

کیا عشق ایک زندگی مستعار کا کیا عشق پاندار سے ناپاندار کا
 وہ عشق جس کی شمع بجھادے اجل کی پھونک اس میں مرا نہیں تپش و انتظار کا
 میری بساط کیا ہے، تب وتاب یک نفس شعلے سے بے محل ہے الجنا شرار کا
 کر پہلے مجھ کو زندگی جاؤ داں عطا پھر ذوق و شوق دیکھے دل بے قرار کا
 کائنات وہ دے کے جس کی کھٹک لازوال ہو
 یا رب، وہ درد جس کی کک لازوال ہو!



دلوں کو مرکزِ مهر و وفا کر
 حرمِ کبریا سے آشنا کر
 جسے نانِ جویں بخشنی ہے تو نے
 اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

(۶)

پریشاں ہو کے میری خاک آ خردل نہ بن جائے جو مشکل اب بے یار بچھرو ہی مشکل نہ بن جائے
 نہ کر دیں مجھ کو مجبور نوا فردوں میں حوریں مرا سوز دُروں پچھر گری محفل نہ بن جائے
 کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو کھلک سی ہے، جو سینے میں غم منزل نہ بن جائے
 بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کرائیں مجھ کو یہ میری خود گھداری مرا ساحل نہ بن جائے
 کہیں اس عالم بے رنگ و نو میں بھی طلب میری وہی افسانہ دنبالہِ محمل نہ بن جائے

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہے جاتے ہیں
 کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا میہ کامل نہ بن جائے

(۷)

ڈر گوں ہے جہاں ہاروں کی گردش تیز ہے ساقی دل ہر ڈڑھ میں غونگاۓ رستا خیز ہے ساقی
 متاع دین و داش لٹ گنجی اللہ والوں کی یہ کس کافر ادا کا غمزہ خون ریز ہے ساقی
 وہی دیر یہند پیماری ، وہی ناچکی دل کی علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

حرم کے دل میں سوز آرزو پیدا نہیں ہوتا کہ پیدائی تری اب تک جا ب آمیز ہے ساقی
 نہ اٹھا پھر کوئی روئی گھم کے لالہ زاروں سے وہی آب و گل ایراں، وہی تبریز ہے ساقی
 نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت رخیز ہے ساقی

فقیر راہ کو بنخشن گئے اسرار سلطانی
 بہا میری نوا کی دولت پروین ہے ساقی

(۸)

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی!
 تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند اب مناسب ہے ترافیض ہو عام اے ساقی
 مری مینانے غزل میں تھی ذرا سی باقی شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 عشق کی تفعیج چکدار اڑا لی کس نے علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
 سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ خن عینِ حیات ہونہ روشن، تو خن مرگ دوام اے ساقی
 تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ ترے پیانے میں ہے ما و تمام اے ساقی!

(۹)

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ہو
 نہ مئے، نہ شعر، نہ ساقی، نہ شور چنگ و رباب سکوت کوہ والپ ہوے و لا الہ خود رزو!
 گدائے مئے کدھ کی شان بے نیازی دیکھ پہنچ کے چشمے حیواں پر تو زتا ہے سبو!
 مرا سبیوچ نعمت ہے اس زمانے میں کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
 میں نو نیاز ہوں، مجھ سے جاپ ہی اولیٰ کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو
 اگرچہ بحر کی موجودوں میں ہے مقام اس کا صفائی پاکی طینت سے ہے ہے گھر کا وضو
 جمیل تر ہیں گل و لا الہ فیض سے اس کے نگاہ شاعر نگیں نوا میں ہے جادو

(۱۰)

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی مقام بندگی دے کرنہ لون شان خداوندی
 ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی
 جاپ اکسیر ہے آوارہ کوئے محبت کو میری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ دیباں میں کہ شاہین کے لیے ذات ہے کار آشیان بندی
 یہ فیضان نظر تھا یا کہ کتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اعمیل کو آداب فرزندی
 زیارت گاہ اہل عزم وہمت ہے لحمد میری کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی
 مری مشاہکی کیا ضرورت حسن معنی کو کفطرت خود بخود کرتی ہے لا لے کی حنا بندی

(۱۱)

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ وہ ادب گہر محبت ، وہ گنگہ کا تازیانہ
 یہ بتان عصر حاضر کہ بننے ہیں مدرسے میں نہ اوابے کافرانہ ، نہ تراش آزرانہ
 نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہ فراغت یہ جہاں عجب جہاں ہے ، نہ قفس نہ آشیانہ
 رُگ تاک منتظر ہے تری پارٹی کرم کی کہ گم کے سے کدوں میں نہ رہی مئے مغافانہ
 مرے ہم صیر اسے بھی اڑ بھار تجھے انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوابے عاشقانہ
 مرے خاک دخوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا صلہ شہید کیا ہے ، تب وتاب چاؤ دانہ
 تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں نہ گلہ ہے دوستوں کا ، نہ شکایت زمانہ

(۱۲)

خیبرِ لالہ نے اصل سے ہوا لمبین اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
 بچائی ہے جو کہیں عشق نے بساطِ اپنی کیا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرہیز
 پانے ہیں یہ ستارے، فلک بھی فرسودہ جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نو خیز
 کے خبر ہے کہ ہنگامہ نشور ہے کیا تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز
 نہ چھین لندت آہ سحر گئی مجھ سے نہ کرنگہ سے تغافل کو انتفات آمیز
 دلِ خمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل صدائے مرغ چمن ہے بہت نشاطِ انگیز
 حدیث بے خبراء ہے، تو با زمانہ بساز زمانہ با تو نسازو، تو با زمانہ ستیز

(۱۳)

وہی میری کمِ نصیبی، وہی تیری ہے نیازی میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی
 میں کہاں ہوں تو کہاں ہے، یہ مکاں کہاں مکاں ہے؟ یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی
 اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں کبھی سوز و سازِ روئی، کبھی پیچ و تاب رازی

وہ فریب خور دہ شاپیں کہ پا ہو کر کسوں میں اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہ بازی
نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں کوئی دلکشا صدا ہو، بھی ہو یا کہ تازی
نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ پہ کی تفعیل بازی، وہ نگہ کی تفعیل بازی

کوئی کارروائی سے نوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارروائی میں نہیں خوئے دل نوازی

(۱۲)

اپنی جولاس گاہ زیر آسمان سمجھا تھا میں آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
بے جوابی سے تری نوٹا نیگاہوں کا ظلم اُک روائے نیگاہوں کو آسمان سمجھا تھا میں
کارروائی تھک کر فضا کے پیچ و فم میں رہ گیا مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں
عشق کی اُک جست نے طے کر دیا قصہ تمام اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں
کہہ گئیں رازِ محبت پر دہ دار یہاے شوق تھی فقاں وہ بھی جسے ضبط فقاں سمجھا تھا میں

تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے درد ناک
جس کو آوازِ ریتل کارروائی سمجھا تھا میں

(۱۵)

اک داش نورانی ، اک داش بہانی ہے داش بہانی ، حیرت کی فراوانی
 اس پیکر خاکی میں اک شے ہے، سودہ تیری میرے لیے مشکل ہے اس شے کی تکہانی
 اب کیا جونفاس میری پٹپٹی ہے ستاروں تک تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی
 ہونتش اگر باطل ، بخرار سے کیا حاصل کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افرگن نے زندیقی اس دور کے ملا ہیں کیوں نک مسلمانی!
 تقدیر ملکن قوت باتی ہے ابھی اس میں ناداں ہے کہتے ہیں تقدیر کا زمانی
 تیرے بھی صم خانے، میرے بھی صم خانے دلوں کے صم خاکی ، دلوں کے صم فانی

(۱۶)

یارب! یہ جہاں گزرائی خوب ہے لیکن کیوں خوار ہیں مردان صفا کیش و ہنرمند
 گواں کی خدائی میں مہا جن کا بھی ہے باتحہ دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند
 تو برگ گیا ہے ندی ایل خرد را او کشت گل و لالہ بخشند ہے خرے چند

حاضر ہیں کیسا میں کتاب دئے گلاؤں مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند
اکام ترے حق ہیں مگر اپنے مضر تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاٹند
فردوں جو تیرا ہے، کسی نے نہیں دیکھا افرنگ کا ہر قریب ہے فردوس کی مانند
مدت سے ہے آوارہ افلاک مرا فکر کر دے اسے اب چاند کی ناروں میں نظر بند
فطرت نے مجھے بخشے ہیں جو ہر ملکوں خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پہوند
درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر میرا نہ ڈلتی، نہ صفاہاں، نہ سرفند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق نے الہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفابجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش میں زہر ہلکاں کو کبھی کہہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندہ حق میں وحق اندیش خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند
ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش میں بندہ مومن ہوں، نہیں والہ اسپند
پر سوز و نظر باز و گنویں و کم آزار آزاد و گرفتار و تھی کیسہ و خورند
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر ڈندا!
چپ رہ نہ سکا حضرت یزدان میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند!

حصہ دوم

(۱)

اطیخترت شہید امیر المؤمنین نادر شاہ نازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء میں مصائف کو حجیم سنائی تھی۔ نویں حجیم اللہ علیہ کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پر بیان ہیں میں حجیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی بھروسی کی گئی ہے، اس روز سعید کی یادگار میں پر قلم کیے گئے:-

ماز پنے سنائی و عطا رآمدیم

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا
نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابتِ علم و عرفان میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلّاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں ، غالامی میں
زردہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا
نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آسائ عرشیوں کو ذکر و تشیع و طواف اولی!



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساتی نہیں پیدا ، وہاں بے ذوق ہے صہبا
نہ ایراں میں رہے باقی ، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسری
یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر شیخ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا!
حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

مدا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چینیاں احرام و ملکی خفتہ در بطلائی !
 لباب شیشہ تہذیب حاضر ہے نے 'لا' سے
 مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیا تھا 'لا'
 دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دتی نے
 بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جوالاں بھی
 نہنگوں کے نیشن جس سے ہوتے ہیں تھے و بالا



غلامی کیا ہے ؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
 جسے زیبا کہیں آزاد بندے ، ہے وہی زیبا
 بھروسا کر نہیں سکتے غامبوں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا
فرنگی شیشه گر کے فن سے پھر ہو گئے پانی
مری اکیر نے شیشه کو بخشی سختی خارا
رہے ہیں، اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستان میں ہے پڑ بیضا
وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیتاں کے واسطے پیدا
محبت خویشن بنی ، محبت خویشن داری
محبت آستانِ قیصر و کسری سے بے پروا
عجب کیا رمہ و پردیں مرے تختیں ہو جائیں
کہ برفتراک صاحب دولتے بستم سر خود رائی

لیا مصطفیٰ مرتضی اس اسab کا ہے جس میں ایک انقلابی تحریر کیا گیا

وہ دنائے سُبل، ختم الرَّسُل، مولائے کل جس نے
 غبار راہ کو بخشنا فروغ وادی بینا
 نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
 وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یسیں، وہی طہ
 سنگی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لا لا

(۲)

یہ کون غزلِ خواں ہے پُرسوز و نشاطِ انگیز اندریشہ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز
 گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ ناپختہ ہے پرویزی بے سلطنت پرویز
 اب جھرہ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز
 اے حلقۂ درویشاں! وہ مردِ خدا کیما ہو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
 ہو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن جو فکر کی سرعت میں بکلی سے زیادہ تیز!
 کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا اللہ کے نشرت ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں دادِ ختن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافر ہندی ہے بے تنق و سنان خون رین

(۳)

وہ حرف راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنون خدا مجھے نفس جبریل دے تو کہوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں
حیات کیا ہے ، خیال و نظر کی مجدوبی خودی کی موت ہے اندر یہ ہائے گواؤں
عجب مزا ہے ، مجھے لذتِ خودی دے کر وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں
شمیر پاک و نگاہ بلند و مستی شوق نہ مال و دولت قاروں ، نہ فکر افلاطون
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں
یہ کائناتِ ابھی ناقصام ہے شاید کہ آرہی ہے دمادِ صدائے دکن فیکوں
علاج آتشِ روئی کے سوز میں ہے ترا تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوس

ای کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
ای کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

(۴)

عالم آب و خاک و بادا سر عیاں ہے تو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں، اس کا جہاں ہے تو کہ میں
 وہ شب درد و سوز و غم، کہتے ہیں زندگی ہے
 اس کی سحر ہے تو کہ میں، اس کی اذاؤ ہے تو کہ میں
 کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرم سیر
 شانہ روزگار پر بارگراں ہے تو کہ میں
 تو کف خاک و بے بصر، میں کف خاک و خودگر
 کشت وجود کے لیے آب روائی ہے تو کہ میں

(۵)

(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ گزر میں ہے، قید مقام سے گزر
 مصر و جاز سے گزر، پارس و شام سے گزر

جس کا عمل ہے بے غرض ، اس کی جزا کچھ اور ہے
 حور و خیام سے گزر ، بادہ و جام سے گزر
 گرچہ ہے دلکشا بہت حسِ فرنگ کی بہار
 طاڑک بلند بال ، دانہ و دام سے گزر
 کوہ شگاف تیری ضرب ، تجھ سے کشادِ شرق و غرب
 تینی ہلال کی طرح عیش نیام سے گزر
 تیرا امام بے حضور ، تیری نماز بے سرور
 ایسی نماز سے گزر ، ایسے امام سے گزرا

(۶)

امین راز ہے مردانِ خر کی درویشی کہ جرسیں سے ہے اس کو نسبتِ خویشی
 کے خبر کہ سخنے ڈبو چکی کتنے فقیہ و صوفی و شاعر کی نا خوش اندیشی
 نگاہِ گرم کہ شیروں کے جس سے ہوش از جائیں نہ آ و سرد کہ ہے گوہنندی و میشی
 لمبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک ہے
یہ رنگ و نم ، یہ ابو ، آب و ناں کی ہے بیشی

(۷)

پھر چرانگ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن
پھول ہیں صحرائیں یا پریاں قطار اندر قطار اودے اودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے پیر ہن
ہر گل پر رکھ گئی شب نم کا موتی باو صح اور چکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
نسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے ہوں اگر شہروں سے ہن پیارے تو شہرا جھٹے کہ ہن
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ ہن ، اپنا تو ہن
من کی دنیا ! من کی دنیا سوز و مستی ، جذب و شوق تن کی دنیا ! تن کی دنیا سود و سودا ، مکروہن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر چاتی نہیں تن کی دولت چھاؤں ہے ، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرگنی کا راج من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شن و برہ من
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو بھکا جب غیر کے آگے ، نہ من تیرا نہ تن

(۸)

(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے ابھو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا مردودت حسن عالم گیر ہے مردان غازی کا
 شکایت ہے مجھے یارب! خداوندان کتب سے سہن شاہیں پھوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
 بہت مدت کے پھرروں کا اندازِ نگہ بدلا کہ میں نے فاش کر دا الاطریقہ شاہبازی کا
 قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا فقیر شہر قاروں ہے افت ہائے چجازی کا
 حدیث بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو نہ کر خارا شکون سے تقاضا شیشه سازی کا

کہاں سے تو نے اے اقبال سعیمی ہے یہ درویشی
 کہ چہ چاپا دشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

(۹)

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز و م بد
 آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق شاخ گل میں جس طرح باد سحرگاہی کا نام
 اپنے رازق کو نہ پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

دل کی آزادی شہنشاہی ، حکم سامان موت فیصلہ تیراترے ہاتھوں میں ہے ، دل یا حکم !
اے مسلم ! اپنے دل سے پوچھ ، ملت سے نہ پوچھ ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

(۱۰)

دل سوز سے خالی ہے ، نگہ پاک نہیں ہے پھر اس میں عجب کیا کرتے ہے باک نہیں ہے
ہے ذوقِ تجھی بھی اسی خاک میں پہاڑ غافل ! تو ترا صاحب اور اک نہیں ہے
وہ آنکھوں کے ہے سرمه افرنگ سے روشن پُر کار و خن ساز ہے ، تم ناک نہیں ہے
کیا سُونی و ملٹا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سر و امن بھی ابھی چاک نہیں ہے
کب تک رہے ملکوں انجمن میں مری خاک یا میں نہیں ، یا گردشِ افلاک نہیں ہے
بھلی ہوں ، نظر کوہ و بیاباں پر ہے مری میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے !

(۱۱)

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندرؤں کا طریق

بحوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں فقط یہ بات کہ پیر مفاس ہے مردِ خلیق
 علاجِ نصفِ یقین ان سے ہونیں سکتا غریب اگرچہ یہ رازی کے نکتہ ہائے دقيق
 مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق
 اسی طسمِ کہن میں اسیر ہے آدم بغل میں اس کی یہ اب تک بتان عبدالحق
 مرے لیے تو ہے اقرار باللسان بھی بہت ہزار شکر کہ مُلَا یہ صاحبِ تصدیق
 اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمان نہ ہو تو مردِ مسلمان بھی کافروں زندقیں

(۱۲)

پوچھا اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی تو صاحبِ منزل ہے کہ بھنکا ہوا راہی
 کافر ہے مسلمان تو نہ شاہی نہ فقیری مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
 کافر ہے تو شمشیر پکرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بے شیخ بھی لڑتا ہے سپاہی
 کافر ہے تو ہے تائیں تقدیرِ مسلمان مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الہی
 میں نے تو کیا پرده اسرار کو بھی چاک
 دریپنہ ہے تیرا مرض کور نگاہی

(۱۳)

(قرطبه میں لکھے گئے)

یہ حوریاں فرگی ، دل و نظر کا جواب بیشہت مغربیاں ، جلوہ ہائے پا ہ رکاب
 دل و نظر کا سفینہ سنچال کر لے جا مہ و ستارہ ہیں بخیر وجود میں گرداب
 جہان صوت و صدا میں سانحیں سکتی لطیفہ ازی ہے فغان چنگ و رباب
 سکھا دیے ہیں اسے شیوه ہائے خانہی فقیر شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
 وہ بجده، رویج زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
 سُنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذان میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیما ب
 ہوائے قرطبه ا شاید یہ ہے اثر تیرا مری نوا میں ہے سوز و سُرور و عہد شباب

(۱۴)

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کزاری میں آدم کے حق میں کیا ہے دل کی بیداری
 دل بیدار پیدا کر کے دل خوابیدہ ہے جب تک نتیری ضرب ہے کاری، نتیری ضرب ہے کاری

مشام تیز سے ملتا ہے صحرائیں نشاں اس کا
خن و خمیں سے ہاتھ آتا نہیں آ ہوئے تاری
اس اندر یہ سے ضبط آہ میں کرتا رہوں کب بک
کہ مٹ زادے ندے جائیں تری قسمت کی پنگاری
خداوند ایہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری
نچھے تبدیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں اُرف فاری

تو اے مولاۓ پیر بآپ میری چارہ سازی کر
مری داش ہے افرگنی، مرا ایماں ہے زفاری

(۱۵)

خودی کی شوختی و تندی میں کبر و ناز نہیں جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں
نگاہِ عشقِ دل زندہ کی تلاش میں ہے شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں
مری نوا میں نہیں ہے اوابے محبوی کہ پائیک صور سرافیل دل نواز نہیں
سوال میں نہ کروں ساقی فرنگ سے میں کہ یہ طریقہِ ردنان پاک باز نہیں
ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق سبب یہ ہے کہ محبتِ زمانہ ساز نہیں
اک اضطرابِ مسلسل، غیاب ہو کہ حضور میں خود کہوں تو مری داستان دراز نہیں

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم
فقار نیم شی بے نوائے راز نہیں

(۱۶)

بیر سپاہ نازرا ، لشکریاں شکستہ صف آہا وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف
تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں ڈھونڈ پکائیں موچ موچ، دیکھ پکا صدف صدف
مشق بیان سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا نقش و نگار دری میں خون جگرنہ کر تکف
کھول کے کیا بیاں کروں بزر مقام مرگ و عشق عشق ہے مرگ باشرف، مرگ حیات بے شرف
محبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش لاکھ حکیم سر بحیب ، ایک کلیم سر بکف
شل کلیم ہو اگر معز کہ آزمہ کوئی اب بھی درخت طور سے آتی ہے باگب الائچہ
خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ سرمد ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و بحیرہ

(۱۷)

(یورپ میں لکھے گئے)

زمتائی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ عرب خیزی

کہیں سرمایہ محفل تھی میری گرم گفتاری
 کہیں سب کو پیش کر گئی میری کم آمیزی
 زمام کا را اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا!
 طریق کو کہن میں بھی وہی جیلے ہیں پرویزی
 جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
 جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
 سوا رومت الکبر میں دلی یاد آتی ہے
 وہی عبرت، وہی عظمت، وہی شان دل آویزی

(۱۸)

یہ دیر کہن کیا ہے ، انبار خس و خاشک مشکل ہے گزارس میں بے نالہ آتش ہاک
 تھیر محبت کا قصہ نہیں طولانی لطف خلش پیکاں ، آسودگی بترائک
 کھویا گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملت میں سمجھے گا نہ تو جب تک بے رنگ نہ ہوا دراک
 اک شرع مسلمانی ، اک جذب مسلمانی نے را عمل پیدا نے شاخ یقین تم ہاک
 اے رہرو فرزانہ ، بے جذب مسلمانی نے را عمل پیدا نے شاخ یقین تم ہاک
 روزیں ہیں محبت کی گستاخی و بے باکی ہر شوق نہیں گتا خ ، ہر جذب نہیں بے باک
 فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
 یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک!

(۱۹)

کمال ترک نہیں آب و گل سے مجبوری کمال ترک ہے تغیر خاکی و نوری
 میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا تمھارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری
 نہ فقر کے لیے موزوں، نہ سلطنت کے لیے وہ قوم جس نے گنوایا متاع تیموری
 سے نہ ساقی مدد و ش تو اور بھی اچھا عیار گرمی صحبت ہے حرفِ مخذوری
 حکیم و عارف و صوفی، تمام مرت ظہور کے خبر کہ تجھکی ہے میں مستوری
 وہ ملخت ہوں تو کنج قفس بھی آزادی نہ ہوں تو صحیں چمن بھی مقامِ مجبوری
 ندا نہ مان، ذرا آزمائے دیکھ اے فرگنگ دل کی خرابی، خرد کی معموری

(۲۰)

عقل گو آستان سے دور نہیں اس کی تقدیر میں حضور نہیں
 دل پیدا بھی کر خدا سے طلب آنکو کا نور دل کا نور نہیں
 علم میں بھی سرور ہے لیکن یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

کیا غصب ہے کہ اس زمانے میں ایک بھی صاحب سرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشور بھی ہے اک جنوں ہے کہ باشور نہیں
 ناصبوری ہے زندگی دل کی آہ وہ دل کہ ناصبور نہیں
 بے حضوری ہے تیری موت کا راز زندہ ہو ٹو تو بے حضور نہیں
 ہر گھر نے صدف کو توڑ دیا تو ہی آمادہ ظہور نہیں
 اُرنی میں بھی کہہ رہا ہوں ، مگر یہ حدیث کلیم و طور نہیں

(۲۱)

خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں تو آئندوں اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
 ٹلسِم سکید گروں کو توڑ سکتے ہیں زجاج کی یہ عمارت ہے ، سنگ خارہ نہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں مگر یہ حوصلہ مرد یقین کارہ نہیں
 ترے مقام کو انجم شناس کیا چانے کہ خاک زندہ ہے تو ، تائی ستارہ نہیں
 نہیں بہشت بھی ہے ، حور و جبریل بھی ہے تری گنگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب پیچانا وہ پیغمبر بن گئے بخششا کہ پارہ پارہ نہیں

غصب ہے، عین کرم میں بخیل ہے فطرت کامل نا ب میں آتش تو ہے، شرارہ نہیں

(۲۲)

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باہم صحیح گاہی کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبردا اسی سے جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی
نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے مجھے کیا گہرہ ہوتھے سے، تو نہ رہ نشیں نہ راہی
مرے حلقہِ ختن میں ابھی زیر تربیت ہیں وہ گدا کہ چانتے ہیں رہ و رسم کچھاہی
یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تو کر کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی
تو ہما کا ہے شکاری، ابھی ابتدا ہے تیری نہیں مصلحت سے خالی یہ جہاں مرغ و ماہی
تو عرب ہو یا نجم ہو، ترا اللہ اکہ لغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی

(۲۳)

تری نگاہ فرمایہ، ہاتھ ہے کوتاہ ترا گنہ کہ بخیل باند کا ہے گناہ
گا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا 'لا اللہ الا اللہ'

خودی میں گم ہے خدائی ، تلاش کر غافل ! سبھی ہے تیرے لیے اب صلاح کا رکی راہ
 حدیث دل کسی درویش بے گیم سے پوچھ خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ
 بدہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کاہ
 نہ ہے ستارے کی گردش ، نہ بازی افلاؤک خودی کی موت ہے تیرا زوالی نعمت و جاہ
 انھا میں مدرس و خانقاہ سے غم ناک نہ زندگی ، نہ محبت ، نہ معرفت ، نہ نگاہ !

(۲۳)

خود کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
 ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا حیاتِ ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں
 گراں بہا ہے تو ھیئتِ خودی سے ہے ورنہ گھر میں آپ گھر کے سوا کچھ اور نہیں
 رگوں میں گردشِ خوب ہے اگر تو کیا حاصل حیاتِ سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں
 عروں لاں امناب نہیں ہے جھسے جاپ کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں
 ہے کساد سمجھتے ہیں تاجران فرنگ وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں
 بڑا کریم ہے اقبال بے نوا لیکن عطاۓ شعلہ شر کے سوا کچھ اور نہیں

(۲۵)

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے خراج کی جو گدا ہو، وہ قیصری کیا ہے!
 ہتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سبی اور کافری کیا ہے!
 فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنسیں خبر نہیں روشن بندہ پروردی کیا ہے
 نقطہ نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
 اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر کہ جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے
 کے نہیں ہے تمنانے سروری، لیکن خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے!
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری و گرنہ شعرِ مرا کیا ہے، شاعری کیا ہے!

(۲۶)

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے
 یہ عقل و دل ہیں شر و شعلہ، محبت کے وہ خارو خس کے لیے ہے، یہ نیماتاں کے لیے
 مقامِ پروشن آہ و نالہ ہے یہ چمن نہ سیرِ گھل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لیے

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک ترا سفینہ کہ ہے بھر بے کراں کے لیے!
 نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لیے
 نگہ باند ، سخن دل نواز ، چاں پُرسوز بیسی ہے زندہ سفر میر کارواں کے لیے
 ذرا سی بات تھی ، اندریشہ عجم نے اسے بڑھا دیا ہے فقط نیپ داستان کے لیے

مرے گلو میں ہے اک نغمہ جریل آشوب
 سنجال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

(۲۷)

تو اے اسیرِ مکاں! لامکاں سے دور نہیں وہ جلوہ گاہ ترے خاک داں سے دور نہیں
 وہ مرغزار کہ ہیم خزاں نہیں جس میں غمیں نہ ہو کہ ترے آشیاں سے دور نہیں
 یہ ہے خلاصہ علم قلندری کہ حیاتِ خدگِ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں
 نشا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے قدم اٹھا ، یہ مقام آسمان سے دور نہیں
 کہے نہ راہ نما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو
 یہ بات راہبر و نکتہ داں سے دور نہیں

(۲۸)

(یورپ میں لکھے گئے)

ہر دن مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
 نہ بادھ ہے ، نہ صراحتی ، نہ دور پیمانہ فقط نگاہ سے رکھیں ہے ہم جانانہ
 مری نوائے پریشان کو شاعری نہ سمجھ کہ میں ہوں محروم رازِ درون میخانہ
 کلی کو دیکھ کر ہے تھیں نسیمِ سحر اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ
 کوئی بتائے مجھے یہ غیاب ہے کہ حضور سب آشنا ہیں یہاں ، ایک میں ہوں پیگانہ
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی تھہر جاؤں مرے جنوں کو سنجالے اگر یہ دیرانہ
 مقامِ عقل سے آسان گزر گیا اقبال
 مقامِ شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

(۲۹)

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں جواب آخر

احوالی محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا سوز و تب و تاب اول، سوز و تب و تاب آخر
 میں تجھ کو بتاتا ہوں ، تقدیرِ اُم کیا ہے شمشیر و شاہ اول ، طاؤس و رباب آخر
 بیگانہ یورپ کے دستور نزالے ہیں لاتے ہیں سرو اول ، دیتے ہیں شراب آخر
 کیا دبدبہ نادر ، کیا شوکت تیموری ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقے ناب آخر
 خلوت کی گھڑی گزری ، جلوت کی گھڑی آئی چھٹے کو ہے بھلی سے آغوشِ سحاب آخر
 تھا ضبط بہت مشکل اس سلیل معانی کا
 کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

(۳۰)

ہر شے مسافر ، ہر چیز راہی کیا چاند تارے ، کیا مرغ و ماہی
 ٹو مرد میداں ، ٹو میر لشکر نوری حضوری تیرے سپاہی
 کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی یہ بے سوادی ، یہ کم نگاہی!
 دنیائے دوں کی کب تک غایی یا راہی کر یا پادشاہی
 ہر جرم کو دیکھا ہے میں نے کردار بے سوز ، گفتار واہی

(۳۱)

ہر چیز ہے مجھ خود نمائی ہر ذرہ شہید کبریائی
 بے ذوق نمود زندگی ، موت قبیر خودی میں ہے خدائی
 رائی زور خودی سے پربت پربت صعب خودی سے رائی
 تارے آوارہ و کم آمیز تقدیر وجود ہے جدائی
 یہ پچھلے پھر کا زرد رو چاند ہے راز و نیاز آشنای
 تیری قدیل ہے ترا دل ٹو آپ ہے اپنی روشنائی
 اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں باقی ہے نمود سیماںی
 ہیں عقده کشا یہ خار صحرا کم کر گلنے بہہ پائی

(۳۲)

اعجاز ہے کسی کا یا گردش زماناً نوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
 تعمیر آشیان سے میں نے یہ راز پایا ہل نوا کے حق میں بھلی ہے آشیانہ

یہ بندگی خدائی ، وہ بندگی گدائی یا بندہ خدا ہن یا بندہ زمانہ!
 غافل نہ ہو خودی سے ، کر اپنی پاسہانی شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 اسے اللہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں گفتار دلبرانہ ، کردار قاہرانہ
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کا نیچتے تھے کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ
 رازِ حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
 یہ اس کی گفتگو کے اندازِ محمانہ

(۳۳)

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں ، میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
 خدا بندے سے خود پوچھئے ، بتا تیری رضا کیا ہے
 مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے ، اور میری کیمیا کیا ہے!

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
 نہ پوچھاۓ ہم نشیں مجھ سے وہ پشم سرمہ سا کیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجدوب ☆ فرگی اس زمانے میں
 تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے
 نو اے صح گاہی نے جگر خون کر دیا میرا
 خدا یا جس خطا کی یہ سزا ہے ، وہ خطا کیا ہے !

(۳۲)

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی سکھاتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
 عطاؤ ہو ، روئی ہو ، رازی ہو ، غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آو سحر گاہی
 نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی
 اے طاہر لاهوتی ! اس رزق سے موت آجھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتا ہی

☆ جرمی کامشبور مجدوب قلنسی ناطق جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور اس لیے اس کے قسماں نہ
 انکار نے اسے مغلہ راستے پر ڈال دیا

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولی ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
آئین جوانہ دوں، حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رواہی

(۳۵)

مجھے آہ و فغاں نیم شب کا پھر پیام آیا ستم اے رہو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ذوب جاتو بھی کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تباخ بے نیام آیا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے خراب مسجد پر یہ ناداں اگر گئے بھدوں میں جب وقت قیام آیا
چل، اے میری غربی کا تماشا دیکھنے والے وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک دور جام آیا
دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا یا کس مرد تن آساتھا، ان آسانوں کے کام آیا

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
ہڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا

(۳۶)

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی کہ میری زندگی کیا ہے، یہی طغیانِ مشتاقی

مجھے فطرت نوا پر پے پے مجبور کرتی ہے ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی
 وہ آتش آج بھی تیر انہیں پھونک سکتی ہے طالب صادق نہ ہوتیری تو پھر کیا شکوہ ساتی!
 نہ کر افرگ کا اندازہ اس کی تباہی سے کہ بکلی کے چاغوں سے ہے اس جوہر کی بڑائی
 دلوں میں دلوں آفاق گیری کے نہیں اٹھتے نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی
 خزان میں بھی کب آسکتا تھا میں صنادیکی زدیں مری خناز تھی شاخ نیشن کی کم اور اتنی
 الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
 حقیقت ہے، نہیں میرے تجھیں کی یہ خلائق

(۳۷)

فطرت کو خرد کے روپ و کر تختیر مقام رنگ و بو کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے کھوئی ہوئی شے کی جتو کر
 تاروں کی فضا ہے بکرانہ تو بھی یہ مقام آرزو کر
 عربیاں ہیں ترے چمن کی حوریں چاک گل و لالہ کو رفو کر
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت جو اس سے نہ ہو سکا، وہ تو کر!

(۳۸)

یہ پیراں کلیسا و حرم ، اے دائے مجبوری!
صلہ ان کی کدوی کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری
یقین پیدا کر اے ناداں! یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی ، کہ جس کے سامنے جگتی ہے فغوری
کبھی حرمت ، کبھی مستی ، کبھی آد سحرگاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا درد مجبوری
حدِ ادراک سے باہر ہیں باقیں عشق و مستی کی
سبھی میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے ، دُوری
وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسہاب مستوری
کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ
نہ تھے ترکاں عثمانی سے کم ترکاں تیموری

فقیر ان حرم کے ہاتھ اقبال آگیا کیونکر
میسر میرہ سلطان کو نہیں شاپنگ کافوری

(۳۹)

تازہ پھر داش حاضر نے کیا سحر قدیم گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم
عقل عیار ہے ، سو بھیں بنا لیتی ہے عشق بے چارہ نہ مٹا ہے نہ زہد نہ حکیم!
بیش منزل ہے غریبان محبت پر حرام سب مسافر ہیں ، بظاہر فخر آتے ہیں مقیم
ہے گراس سیر غم راحله و زاد سے ٹو کوہ و دریا سے گزر سکتے ہیں بندہ نہیں
مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم

(۴۰)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں
تجی ، زندگی سے نہیں یہ فضا کیں یہاں سینکڑوں کارروائی اور بھی ہیں

قاعات نہ کر عالم رنگ و بو پر چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
 اگر کھو گیا اک نیشن تو کیا غم مقامات آہ و فقاں اور بھی ہیں
 تو شایں ہے ، پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسائیں اور بھی ہیں
 اسی روز و شب میں الجھ کرنہ رہ جا کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں
 گئے دن کہ تھا تھا میں انجمن میں
 یہاں اب مرے رازدار اور بھی ہیں

(۲۱)

(فرانس میں لکھے گئے)

ذہوبڑ رہا ہے فرنس یونیورسیٹی جہاں کا دوام وائے تمثای خام ، وائے تمثای خام !
 پر حرم نے کہا سن کے مری رومنداو چنتہ ہے تیری فقاں، اب نہ اسے دل میں تھام
 تھا اُرنی گوکلیم ، میں اُرنی گوئیں اس کو تقاضا روا ، مجھ پر تقاضا حرام
 گرچہ ہے افشاء راز ، ایں نظر کی فقاں ہو نہیں سکتا کبھی شیوہ رندانہ عام
 طلاقہ صوفی میں ذکر ، بے نم و بے سوز و ساز میں بھی رہا تنشہ کام ، تو بھی رہا تنشہ کام

عشق تری انتہا ، عشق مری انتہا تو بھی ابھی ناتمام ، میں بھی ابھی ناتمام
آہ کہ کھویا گیا تھے سے فقیری کا راز
ورنه ہے مال فقیر سلطنتِ روم و شام

(۲۲)

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جریل اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل
ندابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں میں کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثیلِ خلیل
فریب خور دہ منزل ہے کارواں ورنہ زیادہ رلاجتِ منزل سے ہے نشاطِ رذیل
نظر نہیں تو مرے حلقةِ خن میں نہ بیٹھ کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تمعیل اصل
محھے وہ دری فرنگ آج یاد آتے ہیں کہاں حضور کی لذت ، کہاں حجابِ دلیل!
اندھیری شب ہے ، جدا اپنے قاتلے سے ہے تو ترے لیے ہے مرا شعلہ نوا ، قندیل
غریب و سادہ و رکھیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ، ابتدا ہے اتمعین

(۲۳)

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟ خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟
 منزل راہروں دور بھی ، دشوار بھی ہے کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے؟
 بڑھ کے خبر سے ہے یہ معرکہ دین وطن اس زمانے میں کوئی حیدر گزار بھی ہے؟
 علم کی حد سے پرے، بندہ مومن کے لیے لذت شوق بھی ہے، نعمت دیوار بھی ہے
 پیر میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوان فرنگ
 سُس سُس بُنیاد بھی ہے ، آئندہ دیوار بھی ہے!

(۲۴)

حاوشا وہ جو ابھی پر دہ افلاک میں ہے عکس اس کا مرے آئینہ اور اک میں ہے
 نہ ستارے میں ہے۔ گردش افلاک میں ہے تیری تقدیر مرے نالہ بے باک میں ہے
 یا مری آہ میں کوئی شر زندہ نہیں یا ذرا نہ ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے
 کیا عجب میری نواہائے سحر گاہی سے زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے

توڑ ڈالے گی بھی خاک طسمِ شب و روز
گرچہ آبجھی ہوئی تقدیر کے چیپاک میں ہے

(۲۵)

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
خراب کوہک سلطان و خانقاہِ نقیر فناں کہ تخت و مصلیٰ کمال زراثی
کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک روز کتاب صوفی و مذاک کی سادہ اور اتنی
نہ پہنچی و عربی وہ ، نہ روی و شامی سما سکا نہ دو عالم میں مرد و آفاقتی
نے شبانہ کی مسی تو ہو پہنچی ، لیکن لکھک رہا ہے دلوں میں کرشمہ ساقی
پھن میں تیخ نوائی مری گوارا کر کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کاہر تریاقی
عزیز تر ہے متاع امیر و سلطان سے وہ شعر جس میں ہو بکلی کا سوز و بُرّا تی

(۲۶)

ہوانہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک اگرچہ مغربیوں کا جنوں بھی تھا چالاک

نے یقین سے ضمیر حیات ہے پُرسوز نصیب مدرسہ یا رب یا آب آتش ناک
 عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیگلوں افلاک
 یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا دماغ روشن و دل تیرہ و گنگہ بے باک
 تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے وگرنہ آگ ہے مومن، جہاں خس و خاشاک
 زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مطلع راہ کے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب اور اک
 جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی میرے کلام پر جنت ہے نکتہ لولاک

(۲۷)

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ!
 یا سبز و طفرل کا آئین جہاں گیری یا مرد قلندر کے اندازِ ملوکانہ!
 یا حرمت فارابی یا تاب و سببِ روئی یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کھیمانہ!
 یا عقل کی روپاہی یا عشقِ یدِ الہی یا حیله افرگنی یا حملہِ ترکانہ!
 یا شرعِ مسلمانی یا دری کی دربانی یا فخرہِ متانہ، کعبہ ہو کہ بہت خانہ!
 بیری میں فقیری میں، شاہی میں غایی میں کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ

(۲۸)

نہ تخت و تاج میں، نے اشکرو سپاہ میں ہے جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
 صنم کده ہے جہاں اور مرد حق ہے غلیل یہ سکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو ٹو کرے پیدا یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے
 مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا وہ مشت خاک ابھی آوارگا ان راہ میں ہے
 خبر ملی ہے خدیان بحر و بر سے مجھے فرگنگ رہ گزر سیل بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاوں میں کرنصیب اپنا جہاں تازہ مری آو صبح گاہ میں ہے
 مرے کدو کو نیمت سمجھ کے بادہ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

(۲۹)

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندریشہ چالاک رکھتی ہے مگر طاقت پرواز مری خاک
 وہ خاک کہ جس کا جنوں سیقل اور اک وہ خاک کہ جبریل کی ہے جس سے قباقاک

وہ خاک کہ پروائے نیشن نہیں رکھتی چنچتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ہاک

(۵۰)

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
یہ مدرسہ ، یہ جواں ، یہ سور و رعنائی انہی کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد
نہ فلسفی سے ، نہ ملٹا سے ہے غرض بھکو یہ دل کی موت ، وہ اندیشہ و نظر کا فساد
قہیہ شہر کی تحریر کیا مجال مری گمریہ بات کہ میں ذہون ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد
خوبی سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرویز خدا کی دین ہے سرمایہ غم فرباد
کیے ہیں فاش رموز قلندری میں نے کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد
رشی کے فاقوں سے نوٹا نہ برہمن کا ظلم عصا نہ ہو تو کلیسی ہے کار بے بنیاد

(۵۱)

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عنایتی گستاخ ہے ، کرتا ہے فطرت کی حابندی

خاکی ہے مگر اس کے انداز یہن افلاکی روئی ہے نہ شامی ہے، کاشی نہ سرفندی
سکھلائی فرشتوں کو آدم کی ترب پاس نے آدم کو سکھاتا ہے آداب خداوندی!

(۵۲)

نے مُبہرہ باقی ، نے مُبہرہ بازی جیتا ہے روئی ، ہارا ہے راز آئی
روشن ہے جامِ جمشید اب تک شاہی نہیں ہے بے شیشه بازی
دل ہے مسلمان میرا نہ تیرا تو بھی نمازی ، میں بھی نمازی!
میں جانتا ہوں انجام اس کا جس معرکے میں ملما ہوں غازی
ترکی بھی شیریں ، تازی بھی شیریں حرفِ محبتِ ترکی نہ تازی
آزر کا پیشہ خارا تراشی کار خلیاں خارا گدازی
تو زندگی ہے ، پاہندگی ہے باقی ہے جو کچھ ، سب خاک بازی

(۵۳)

گرم نفاح ہے جس ، اٹھ کہ گیا قافلہ وائے وہ تہرو کہ ہے منتظر راحله!

تیری طبیعت ہے اور، تیرا زمانہ ہے اور تیرے موافق نہیں خانقہی سلسلہ
 دل ہو غلامِ خرد یا کہ امامِ خرد سائکِ رہ، ہوشیار! سخت ہے یہ مرحلہ
 اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر گردوشِ دوراں کا ہے جس کی زبان پر گلہ
 تیرے نفس سے ہوئی آتشِ گلہ تیز تر مرغ چمن! ہے بھی تیری نوا کا صلدہ

(۵۲)

مری نوا سے ہونے زندہ عارف و عالمی دیا ہے میں نے انہیں ذوقِ آتشِ آشای
 حرم کے پاس کوئی انجی ہے زمزدہ سخ کہ تار تار ہونے چامہ ہائے احرامی
 حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری بدلتے رہتے یہی اندازِ کوفی و شامی
 مجھے یہ ڈر ہے مقامِ یہیں پختہ کار بہت نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
 عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کر دیں شکوہ سخیر و فقر چنید و بسطامی
 قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے، ورنہ
 تری نگاہ میں تھی میری ناخوشِ اندازی!

(۵۵)

ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو
کمال کس کو میر ہوا ہے بے شک و ”
نفس کے زور سے وہ غنچہ واہوا بھی تو کیا جسے نصیب نہیں آفتاب کا پر تو
نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو
پنپ سکا نہ خیاباں میں لالہ دل سوز کہ ساز گار نہیں یہ جہان گندم وہو
رہے نہ ایک و غوری کے معمر کے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نعمہ خسرہ

(۵۶)

کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش!
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش
کس کو معلوم ہے ہنگامہ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و میخانہ ہیں مدت سے خموش

میں نے پایا ہے اسے اشک سحر گاہی میں
 جس دُر ناب سے خالی ہے صدف کی آغوش
 نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
 چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش!
 صاحب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
 گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

(۵۷)

تھا جہاں مدرسہ شیری و شاہنشاہی آج ان خاتمہوں میں ہے فقط روبائی
 نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں وہ ثباتی کہ ہے تمہیدِ سلمیم اللہی
 نَدَتْ نَفْحَةُ كَبَانِ مَرْغَبَةُ خُوشِ الْجَاهِ کے لیے آہ، اس باغ میں کرتا ہے نفسِ کوتاہی
 ایک سرمتی و حیرت ہے سراپا تاریک ایک سرمتی و حیرت ہے تمام آگاہی
 صفتِ برق چلتا ہے مرا فکرِ بلند
 کہ بھکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

(۵۸)

ہے یاد مجھے نکتہ سلمان ☆ خوش آہنگ دنیا نہیں مردان جفاش کے لیے علک
 چیز کا جگہ چاہیے ، شایس کا تجسس جی سکتے ہیں بے روشنی دلش و فرہنگ
 کر بلبل و طاؤس کی تکلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہے ، طاؤس فقط رنگ!

(۵۹)

فقر کے ہیں مجرمات تاج و سریر و پاہ فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
 علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
 علم فقیہ و حکیم ، فقر مسیح و کلیم علم ہے جو یائے راہ، فقر ہے دناۓ راہ
 فقر مقام نظر ، علم مقام خبر فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی گناہ
 علم کا موجود اور ، فقر کا موجود اور اشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ

!

☆ سلمان: مسعود و سلیمان۔ غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً اپنے نام میں پیدا ہوا۔

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیخ خودی ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری گنگہ توڑ دے آئندہ مہروماہ

(۶۰)

کمال جوش جنوں میں رہا میں گرم طواف خدا کا شکر ، سلامت رہا حرم کا غلاف
یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے کہ یک زبان ہیں فقیہان شہر میرے خلاف
ترپ رہا ہے قلاطوں میان غیب و حضور ازل سے اہل خرد کا مقام ہے اعراف
ترے خمیر پہ جب تک نہ ہونزولی کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
سرور و سوز میں ناپائدار ہے ، ورنہ
ئے فریگ کا نہ جرuds بھی نہیں ناصاف

(۶۱)

حضور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں چانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
 اگرچہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف مری نوا میں نہیں طاہر چمن کا نصیب
 سن ہے میں نے خن رس ہے ترک عثمانی سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب
 سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
 ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب ا

قطعہ

انداز بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
 یا وسعت افلاک میں تکلیف مسلسل
 یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
 وہ مذهب مردان خود آگاہ و خدا مست
 یہ مذهب مُلّا و جمادات و نباتات

رباعیات

رہ و رسم حرم نا محمنہ کیسا کی ادا سو داگرانہ
تیرک ہے مرا پیران چاک نہیں ہل جنوں کا یہ زمانہ



ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا ترپ جا ، یق کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موچ اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا!



مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں جہاں نہیں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!



خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھوں اٹھا کر جلوہِ دوست قیامت میں تماشا بن گیا میں!



پریشان کاروبار آشنائی پریشان تر مری نہیں نواہی!
کبھی میں ڈھونڈتا ہوں لذتِ عمل خوش آتا ہے کبھی سوزِ جدائی!



یقین ، مثل خلیلِ آتش نہیں یقین ، اللہ مست ، خود گزینی
سن ، اے تہذیب حاضر کے گرفتار نامی سے تر ہے بے یقینی



عرب کے سوہ میں سازِ عجم ہے حرم کا راز توحیدِ اُم ہے
تھی وحدت سے ہے اندرِ غرب کہ تہذب فرنگی ہے حرم ہے



کوئی دیکھے تو میری نے نوازی نفس ہندی ، مقامِ نغمہ تازی
نگہ آلوڈہ انداز افرنگ طبیعت غزنوی ، قست لیازی!



ہر اک ذرے میں ہے شایدِ کمیں دل اسی جلوٹ میں ہے خلوتِ نشیں دل
اسیرِ دوش و فردا ہے و لیکن غلامِ گردش دورانِ نہیں دل



ترًا اندریشہ افلاکی نہیں ہے تری پروازِ لوالکی نہیں ہے
یہ ماں اصلِ شایدی ہے تیری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے



نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری رہا صوفی ، گنی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ نہیں ممکن امیری بے فقیری



خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی!



نگہ ابھی ہوئی ہے رنگ و نو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ پھوڑ اے دل فناں صح گاہی اماں شاید ملے ، اللہ خو میں!



جمال عشق و مستی نے نوازی جمالی عشق و مستی بے نیازی
کمال عشق و مستی ظرف حیدر زوالی عشق و مستی حرف رازی

وہ میرا رونقِ محفل کہاں ہے مری بجلی ، مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے!



سوارِ ناقہ وِ محمل نہیں میں نشانِ جادہ ہوں ، منزل نہیں میں
مری تقدیر ہے خاشاک سوزی فقط بجلی ہوں میں ، حاصل نہیں میں



ترے سینے میں دم ہے ، دل نہیں ہے ترا دم گرمیِ محفل نہیں ہے
گزرِ جا عقل سے آگے کہ یہ نورِ چراغ راہ ہے ، منزل نہیں ہے



ترا جوہر ہے نوری ، پاک ہے تو فروغِ دیدہ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و خور کہ شایین شہرِ لولاک ہے تو!



محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے
صفیں کج ، دل پریشان ، سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے



خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا مقام رنگ و بو کا راز پا جا
ہر نگہ بحر ساحل آشنا رہ کف ساحل سے دامن کھینپتا جا



چن میں رخت گل شبتم سے تر ہے سمن ہے ، بزرہ ہے ، باد سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم یہاں کا لالہ بے سوز جگہ ہے



خود سے راہرو روشن بصر ہے ، خرد کیا ہے ، چائش رہ گزر ہے
دُرُون خانہ ہنگائے ہیں کیا کیا چائش رہ گزر کو کیا خبر ہے!



جو انوں کو مری آو سحر دے پھر ان شاپیں بچوں کو بال و پر دے
خدا یا! آرزو میری بھی ہے مرا نور بصیرت عام کر دے



تری دنیا جہاں مرغ و ماہی مری دنیا نفان صبح گاہی
تری دنیا میں میں ملکوم و مجبور مری دنیا میں تیری پاؤشاہی!



کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں غلام طفرل و خبر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن کسی جمیلہ کا ساغر نہیں میں



وہی اصل مکان و لامکاں ہے مکاں کیا شے ہے ، انداز بیان ہے
حضر کیونکر بتائے ، کیا بتائے اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے



کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہ شہاب نو شیروال عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرد پوش کبھی عریان و بے قن و سناں عشق!



کبھی تھائی کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سرور و انجم عشق
کبھی سرمایہ محراب و منبر کبھی مولا علیؑ خیر شکن عشق!



عطاء اسلاف کا جذب دروں کر شریک زمرة ॥ مخنوں ، کر
خود کی ٹھیکیاں سلیحا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کرا!



یہ نکتہ میں نے سیکھا بوحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے
چک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بیزار ہو اپنی کرن سے!



خرو واقف نہیں ہے نیک و بد سے بڑھی جاتی ہے خالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے خود پیزار دل سے ، دل خرو سے!



خدائی اہتمام خشک و تر ہے خداوند! خدائی درد سر ہے
ولیکن بندگی ، آتغفراللہ! یہ درد سر نہیں ، درد جگہ ہے



بھی آدم ہے سلطان بحر و بر کا کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود میں ، نے خدا میں نے جہاں میں بھی شہکار ہے تیرے بھر کا!



دم عارف نسیم صحِّ دم ہے اسی سے رشدِ معنی میں تم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلہی وو قدم ہے



رگوں میں وہ ابھو باتی نہیں ہے وہ دل ، وہ آرزو باتی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج یہ سب باتی ہیں ، تو باتی نہیں ہے



کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی گیا دورِ حدیث 'لن ترانی'
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار وہی مہدی ، وہی آخر زمانی!



زمانے کی یہ گروشِ جاودا نہ حقیقت ایک تو ، باتی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا فقط امروز ہے تیرا زمانہ



حکیمی ، نامسلمانی خودی کی کلیمی ، رمزِ پنهانی خودی کی
تجھے گرفتار و شایی کا بتا دوں غریبی میں نگہبانی خودی کی!



تر اتن روح سے نآشنا ہے عجب کیا ! آہ تیری نارسا ہے
نن بے روح سے پزار ہے حق خدائے زندہ ، زندوں کا خدا ہے

قطعہ

اقبال نے کل اہل خیابان کو سنایا
یہ شعر نشاط آور و پُر سوز طرب ناک
میں صورتِ گل دستِ صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے مرا جوش جنوں میری قبا چاک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دُعا

(مسجد قرطبه میں لکھی گئی)

ہے یہی میری نماز ، ہے یہی میرا وضو
میری نواوں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہل صفا ، نور و حضور و سرور
سر خوش و پر سوز ہے اللہ لب آنحضرت
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ مرے رہ گئی ایک مری آرزو
میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو ، شاخ نشیمن بھی تو

تجھ سے گریاں مرا مطلع صبح نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتشِ اللہ ہو
تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو ، تو ہی مری جتجو
پاس اگر تو نہیں ، شہر ہے ویراں تمام
تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ و گو
پھر وہ شراب کہن مجھ کو عطا کہ میں
ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام و سبو
پشم کرم ساقیا! دیر سے ہیں منتظر
جلوتیوں کے سبو ، خلوتیوں کے کدو
تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ
اپنے لیے لامکاں ، میرے لیے چار سوا!
فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرفِ تمنا ، جسے کہہ نہ سکیں رُو رُدو

مسجدِ قرطبه

(ہسپانیہ کی سرزین، بالخصوص قرطبه میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب ، نقشِ گرِ حداثات
سلسلہ روز و شب ، اصلِ حیات و ممات
سلسلہ روز و شب ، تاریخِ حریر و رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ، سازِ ازل کی فناں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ ممکنات
تجھے کو پرکھتا ہے یہ ، مجھے کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب ، صیرفیِ کائنات
تو ہو اگر کم عیار ، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات ، موت ہے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات ، کار جہاں بے ثبات!

اول و آخر فنا ، باطن و ظاهر فنا
نقش گھن ہو کہ نو ، منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے ، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشقِ دم جریل ، عشقِ دلِ مصطفیٰ
عشقِ خدا کا رسول ، عشقِ خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تباہ
عشق ہے صہبائے خام ، عشق ہے کاسِ اکرام
عشق فقیہِ حرم ، عشقِ امیرِ جنود
عشق ہے ابنِ اسپیل ، اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمہِ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات ، عشق سے نارِ حیات
اے حرم قرطبا عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام ، جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سگ ، چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہِ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
قطرہِ خونِ جگر ، سل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

تیری فضا دل فروز ، میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور ، مجھ سے دلوں کی کشود
عرشِ معلّی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پھر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز بجود
کافر ہندی ہوں میں ، دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود ، لب پہ صلوٰۃ و درود

شوq مری تے میں ہے ، شوق مری نے میں ہے
نغمہ 'اللہ ہو' میرے رگ و پے میں ہے
تیرا جلال و جمال ، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل ، تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پاندار ، تیرے ستون بے شمار
شام کے صحراء میں ہو جیسے ہجومِ نخلیل

تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور
تیرا منار بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرکاعیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود ، اس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج ، دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب ، اس کے فسالے غریب
عبد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساقی اربابِ ذوق ، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق ، تفعیل ہے اس کی اصیل
مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ ۲۰۱۰
سایہ شمشیر میں اس کہ پنه ۲۰۱۰
تجھ سے ہوا آشکار بندہِ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش ، اس کی شبیوں کا گداز

اس کا مقام بلند ، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق ، اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ موسن کا ہاتھ
 غالب و کار آفریں ، کارکشا ، کارساز
خاکی و نوری نہاد ، بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل ، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب ، اس کی گنگہ دل نواز
نرم دم گفتگو ، گرم دم جتو
رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل و پاک باز
نقطہ پرکار حق ، مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و ظسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

کعہ اربابِ فن! سطوتِ دینِ میں
تجھ سے حرم مرتبتِ انگلیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلپِ مسلمان میں ہے ، اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
حامِ خلقِ عظیم ، صاحبِ صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے ، شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خود راہ میں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں انگلی
خوشِ دل و گرمِ اختلاط ، سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بُوئے سین آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیپہِ انجم میں ہے تیری زمیں ، آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذال
کون سی وادی میں ہے ، کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں!
دیکھ چکا المني ، شورشِ اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں
حرفِ غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
پشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملتِ رومی نژاد کہنا پرستی سے پید
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
 رازِ خدائی ہے یہ ، کہہ نہیں سکتی زبان
 دیکھیے اس بحر کی تھے اچھلتا ہے کیا
 گند نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا!
 وادی کھسار میں غرق شفت ہے ساحب
 لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
 سادہ و پرسوز ہے دفترِ دہقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب
 آبِ روانِ کبیر!☆ تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پرداہِ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

☆ وادیِ کبیر، قربہ کا مشہور دریا جس کے قربِ مسجد قربہ واقع ہے ۔

پرده اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
 لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب ، موت ہے وہ زندگی
 روحِ اُم کی حیات کشمکشِ انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمامِ خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خامِ خونِ جگر کے بغیر

قیدخانے میں معتمد کی فریاد

معتد اشیلی کا دشادھور بی شاہزادہ۔ ہپاہنچ کے ایک عہدمند نے اس کو کشت دے کر قید میں والیا تھا۔ معتد کی اسیں اگرچہ یہ شہزادہ
 ہو کر تو زام آف دی ایسٹ سیریز میں شائع ہو گئی ہیں

اک فنان بے شر سینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا ، جاتی رہی تاثیر بھی

مردِ خُر زندگان میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
 میں پشیماں ہوں ، پشیماں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ دو دم تھی ، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خاقِ تقدیر بھی!

عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت

سرزمینِ اندلس میں

پاشعار جو بیدار اول کی تصنیف سے ہیں، نادرِ المتری میں درج ہیں مددویہ ذیلِ اردو لکھ ان کا آزاد ہے جسے (مرفت نگار عرب و اور ایسا ہے جو آپا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو
 اپنی وادی سے دور ہوں میں میرے لیے نخل طور ہے تو
 مغرب کی ہوانے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تو

پرنس میں ناصور ہوں میں پرنس میں ناصور ہے تو

غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تمرا نم سحر ہو
عالم کا عجیب ہے نظارہ دامن گند ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناوری مبارک! پیدا نہیں بحر کا کنارہ
ہے سوز دروں سے زندگانی الھتا نہیں خاک سے شرارہ
حج غربت میں اور چمکا نوٹا ہوا شام کا ستارہ
مؤمن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مؤمن کا مقام ہر کہیں ہے

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرز میں لکھے گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا ایں ہے
ماندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری باہ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
خیہے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں!
کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
مانا ، وہ تب و تاب نہیں اس کے شر میں
غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے و لیکن
تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
دیکھا بھی دکھایا بھی ، سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں ، نہ خبر میں!

طارق کی دعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں)

یہ غازی ، یہ تیرے پر اسرار بندے جنہیں تو نے بخشنا ہے ذوقِ خدائی
وہ نیم ان کی ٹھوکر سے صحراء دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی بیت سے رائی
وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالی غیبت نہ کشور کشائی

خیاباں میں ہے منتظرِ الٰہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تو نے صراحتینوں کو یکتا خبر میں ، نظر میں ، اذانِ سحر میں
طلبِ جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اس نے پایا انہی کے جگہ میں
کشادِ در دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے وہ بھلی کہ تھی نعرہِ لامڈر ، میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے نگاہِ مسلمان کو تکوار کر دے!

لینن

(خدا کے حضور میں)

اے انس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاکندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خود کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سروہ ازلی سے
پینائے کواکب ہو کہ دنائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خاتم اعصار و نگارندة آنات!

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمة افلک کے نیچے^{کھلکھلتی}
کائنے کی طرح دل میں رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات؟
مشرق کے خداوند سفیدان فرگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ جیواں ہے یہ کلمات
رعائی تغیر میں ، روتق میں ، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے ، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مناجات
یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبیر ، یہ حکومت
پیتے ہیں ابھو ، دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلات
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مرقت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات
میجانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پر جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یا غازہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
بیس تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات!

فرشتوں کا گیت

عقل ہے بے زمام ابھی ، عشق ہے بے مقام ابھی
نقشِ گر ، ازل! ترا نقش ہے نا تمام ابھی
خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردش صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست ، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی ، خواجہ بلند بام ابھی

دانش و دین و علم و فن بندگی ہوں تمام
 عشق گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق ، جو ہر عشق ہے خودی
 آہ کہ ہے یہ تفیخ تیز پر دگی نیام ابھی!

فرمانِ خدا

(فرشتہ سے)

انھو ! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
 گرماؤ نلاموں کا لہو سوزِ یقین سے کجھکِ فرمایہ کو شاہیں سے لڑا دو
 سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے ، مٹا دو
 جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو
 کیوں خالق و مخلوق میں حاکل رہیں پر دے پیران کیسا کو کیسا سے اٹھا دو
 حق را بھجو دے ، صدائ را بطورانے بہتر ہے چنانِ حرم و دیر بجا دو
 میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے میرے لیے مٹی کا حرم اور ہنا دو
 تہذیبِ نوی کارکہ شیشه گراں ہے آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو !

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

دریغِ آدم زاں ہمہ بوستانِ تھی دستِ رفتان سوئے بوستان
قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں
حسنِ ازل کی ہے نہود ، چاک ہے پرداہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دیکھ نگاہ کا زیاب
سرخ و کبود بدلياں چھوڑ گیا ساحاب شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلیاں
گرد سے پاک ہے ہوا ، برگِ نخلِ حل گئے
ریگِ نواح کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
آگِ بیجھی ہوئی ادھر ، ٹوٹی ہوئی طاب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں

آئی صدائے جریل ، تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے نے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات ، تازہ ہیں میرے واردات
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات
ذکر عرب کے سوز میں ، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات ، نے عجمی تخلیقات
قافلہ ججاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیس بت کدہ تصورات

صدق خلیل بھی ہے عشق ، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق

آیہ کائنات کا معنی دیر یا ب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
جلوتیان مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
خلوتیان میں کدھ کم طلب و تھبی کدو
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جبتو
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو
خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو

فرصت سکھش مده ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوے تابدار را
لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گند آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آپ و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سخن و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بازیمید تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب ، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جتنتو ، عشق حضور و اضطراب

تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم خیل بے رطب
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ ، عقل تمام بولہب

گاہ بحیله می برد ، گاہ بزور می کشد
 عشق کی ابتدا عجب ، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو ، بھر میں لذت طلب
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب
 گرمی آرزو فراق ، شورش ہے و ہو فراق
 موج کی جستجو فراق ، قطرے کی آبرو فراق!

پروانہ اور جنون

پروانہ

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جنون کیوں آتش بے سوز پر مفترور ہے جنون

جنون

اللہ کا سو شہر کہ پروانہ نہیں میں دریزدہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے عمر جاؤ داں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چپا غ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود
ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فرا غ!
ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاپیں بچے کو صحبت زاغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ
نہ سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شفقتہ دماغ

گدائی

مے کدے میں ایک دن اک رند زیر ک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے جیا
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عربیانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا
اس کے آب لالہ گوں کی خون دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیما
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے ، مرد غریب و بے نوا
مانگنے والا گدا ہے ، صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے ، میر و سلطان سب گدا!

(ناخوذ از انوری)

مُملَّا اور بہشت

میں بھی حاضر تھا وہاں ، ضبطِ سخن کرنے سکا
حق سے جب حضرت مُملَّا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے ، الٰہی! مری تفصیرِ معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرثت
ہے بد آموزی اقوام و ملک کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد ، نہ کلیسا ، نہ کنشت!

دین و سیاست

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی سماں کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سرباندی ہے یا سرپریزی

سیاست نے مذهب سے پیچھا چھڑایا چلی کچھ نہ بھر لکھا کی بھری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی ہوس کی امیری ، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نامراوی دوئی چشم تہذیب کی ناصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرائشیں کا بشیری ہے آئینہ دار نذری!
اسی میں خاکست ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جدیدی و اردشیری

الارض لله!

پاتا ہے چج کو مٹی کو تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجودوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نور آفتاب؟
کس نے بھرداری موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسوں کو کس نے سکھلائی ہے خونے انقلاب؟

دہ خدا یا! یہ زمیں تیری نہیں ، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں ، تیری نہیں ، میری نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرگی ، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا ، شکوہ خروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں ، نہ استغناۓ سلمانی

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تخلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی
عقلابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید ، نومیدی زوال علم و عرفان ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نہیں تیرا نشمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے ، بسرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اصحیت

بچہ ، شاہیں سے کہتا تھا عقاب سالخورد
اے تیرے شہپر پ آس رفت چرخ بریں
ہے شباب اپنے لبو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگیں
جو کبوتر پر جھینٹے میں مزا ہے اے پرا!
وہ مزا شاید کبوتر کے لبو میں بھی نہیں

لالہ صحراء

یہ گنبد بینائی ، یہ عالم تھیائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

بھنگا ہوا راہی میں ، بھنگا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی!
خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تو شعلہ سینائی ، میں شعلہ سینائی!
تو شاخ سے کیوں پھونا ، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
اک جذبہ پیدائی ، اک لذت یکتا!

غواص محبت کا اللہ نگہبان ہو
ہر قطرہ دریا میں دریا کی ہے گہرائی
اس موج کے ماتم میں روئی ہے بھنوڑ کی آنکھ
دریا سے انھی لیکن ساحل سے نہ نکرانی
ہے گرمی آدم سے ہنگامہ عالم گرم
سورج بھی تماشائی ، تارے بھی تماشائی
اے باد بیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی ، سرمستی و رعنائی!

ساقی نامہ

ہوا نجیمہ زن کاروان بہار ارم بن گیا دامن کوہسار
گل و زگس و سون و نترن شہید ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھپ گیا پرودہ رنگ میں ابو کی ہے گردش رگ سنگ میں
فضا نیلی نیلی ، ہوا میں سرورِ نہیں آشیان میں طیور
وہ جوئے کہاں اچکتی ہوئی اکتنی ، چکتی ، سرکتی ہوئی
اچھاتی ، پھسلتی ، سنجھلتی ہوئی بڑے بیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھے اے ساقی لالہ فام! سناتی ہے یہ زندگی کا چیام
پا دے مجھے وہ مے پرودہ سوز کہ آتی نہیں فصل گل روز روز
وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات وہ مے جس سے ہے متی کائنات
وہ مے جس میں ہے سوزوساز ازل وہ مے جس سے کھلتا ہے راز ازل

اٹھا ساقیا پرده اس راز سے
لڑا دے مولے کو شہزاد سے
زمانے کے انداز بدلتے گئے نیا راگ ہے ، ساز بدلتے گئے
ہوا اس طرح فاش راز فرنگ کہ حیرت میں ہے شیشه باز فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطان سے بیزار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا
گراں خواب چینی سنجانے لگے ہمالہ کے پیشے ابلجے لگے
دل طور سینا و فاراں وو نیم تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مسلمان ہے توحید میں گرم جوش مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتان عجم کے پیجاري تمام!
حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی
لبحاتا ہے دل کو کلام خطیب مگر لذت شوق سے بے نصیب!
بیاں اس کا منطق سے سلجا ہوا لفت کے بکھیزوں میں الجحا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد محبت میں کیتا ، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا یہ ساکھ مقامات میں کھو گیا
مجھی عشق کی آگ ، اندر ہے
مسلمان نہیں ، راکھ کا ذمیر ہے
شراب کہن پھر پا ساقیا وہی جام گردش میں لا ساقیا!
مجھے عشق کے پر لگا کر ازا مری خاک جگنو بنا کر ازا
خرو کو غایی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
ترپنے پھر کنے کی توفیق دے دل مرتضیٰ ، سوز صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو زینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر زینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جو انوں کو سوز جگر بخش دے مرا عشق ، میری نظر بخش دے
مری ناؤ گرواب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
تا مجھ کو اسرار مرگ و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مرے دیدہ تر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالہ نیم شب کا نیاز مری خلوت و انجمن کا گداز
انگلیں مری ، آرزوئیں مری امیدیں مری ، جتنوئیں مری
مری فطرت آئینہ روزگار غزالان افکار کا مرغزار
مرا دل ، مری رزم گاہ حیات گمانوں کے لشکر ، یقین کا ثبات
بھی کچھ ہے ساتی متاب فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قائلے میں لٹا دے اے
لٹا دے ، ٹھکانے لگا دے اے!

دما دم روائ ہے یم زندگی ہر اک شے سے پیدا رم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی شمود کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موچ دود
گراں گرچہ ہے صحبت آب و گل خوش آئی اسے مخت آب و گل
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم ایم مگر ہر کہیں بے چکوں ، بے نظیر
یہ عالم ، یہ بت خانہ شش چہات اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
پند اس کو بخمار کی خونیں کہ تو میں نہیں ، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے ابھن آفرین مگر عین محفل میں خلوت نہیں
چک اس کی بجلی میں تارے میں ہے یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے
اسی کے بیباں ، اسی کے بہول اسی کے ہیں کائنے ، اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کھسار چور کہیں اس کے پھندے میں جریل و حور
کہیں جو شاہین سیماں رنگ لبو سے پکوروں کے آلووہ چنگ
کوترا کہیں آشیانے سے دور
پھر کتا ہوا جال میں ناصور

فریب نظر ہے سکون و ثبات تڑپا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہرنا نہیں کاروان وجود کہ ہر لمحہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوق پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے ہرگز و ساز سفر ہے حقیقت ، حضر ہے مجاز
الجھ کر سمجھنے میں لذت اسے ترپنے پھر کئے میں راحت اسے
ہوا جب اسے سامنا موت کا کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا

اڑ کر جہاں مکافات میں رہی زندگی موت کی گھات میں
مذاق دوئی سے بنی زوج زوج اٹھی دشت و کھسار سے فوج فوج
گل اس شاخ سے نونخے بھی رہے اسی شاخ سے پھونتے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات ابھرتا ہے مٹ مٹ کے لفڑیں حیات
بڑی تیز جولاں ، بڑی زور دس ازل سے ابد تک رم یک نفس
زمانہ کہ زنجیر لام ہے
دھوں کے الٹ پھیر کا نام ہے
یہ موج نفس کیا ہے تکوار ہے خودی کیا ہے ، تکوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے ، راز دُون حیات خودی کیا ہے ، بیداری کائنات
خودی جلوہ بدست و خلوت پند سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
اندھیرے اجائے میں ہے تابناک من و تو میں پیدا ، من و تو سے پاک
ازل اس کے پیچھے ، ابد سامنے نہ حد اس کے پیچھے ، نہ حد سامنے
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی ستم اس کی موجودوں کے سکتی ہوئی
تجسس کی رائیں بدلتی ہوئی وما دم نگاہیں بدلتی ہوئی

سک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ روائ
سفر اس کا انعام و آغاز ہے یہی اس کی تقویم کا راز ہے
کرن چاند میں ہے ، شرمنگ میں یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
اسے واسطہ کیا کم و پیش سے نسب و فراز و پس و پیش سے
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر
خودی کا نیشن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
خودی کے ٹکبیاں کو ہے زہر ناب وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
فرو فال محمود سے درگزر خودی کو ٹکھہ رکھ ، لیا زی نہ کر
وہی سجدہ ہے لاائق اہتمام کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
یہ عالم ، یہ ہنگامہ رنگ و صوت یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت
یہ عالم ، یہ بت خانہ چشم و گوش چہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی یہ ہے منزل اولیں مسافر! یہ تیرا نیشن نہیں

تری آگ اس خاک داں سے نہیں جہاں تھے سے ہے، تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گران توڑ کر طسم زمان و مکان توڑ کر
خودی شیر مولا ، جہاں اس کا صید زمیں اس کی صید، آسمان اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے شمود کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود
ہر اک منتظر تیری یلغار کا تری شوختی فکر و کردار کا
یہ ہے مقصد گردش روزگار کہ تیری خودی تھے پہ ہو آشکار
تو ہے فاتح عالم خوب و زشت تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت
حقیقت پہ ہے جامدہ حرف تگ حقیقت ہے آئینہ ، گفتار زنگ
فروزان ہے میں شمع نفس مگر تاب گفتار کہتی ہے ، بس!

اگر یک سر موے بردا پرم
فروع تجلی بسوزو پرم،

زمانہ

جو تھا نہیں ہے ، جو ہے نہ ہو گا ، یہی ہے اک حرف محض
قریب تر ہے نمود جس کی ، اسی کا مشتق ہے زمانہ
مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے خواستہ بچک رہے ہیں
میں اپنی شیخ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر ایک سے آشنا ہوں ، لیکن چدا چدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب ، کسی کا مرکب ، کسی کو عبرت کا تازیانہ
نہ تھا اگر تو شریک محفل ، قصور میرا ہے یا کہ تیرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مےء شبانہ
مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیرا اس کا ، نظر نہیں جس کی عارفانہ

شفق نیس مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے، یہ جوئے خوں ہے!
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ
وہ فکر گستاخ جس نے عربیاں کیا ہے فطرت کی طاقتون کو
اس کی بیتاب بجا بیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
ہوا میں ان کی، فضا میں ان کی، سمندر ان کے، جہاز ان کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر، بھنور ہے تقدیر کا بہانہ
جہان نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
ہوا ہے گوتند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خروانہ

فرشته آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی پیتابی خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیما بی
ستا ہے، خاک سے تیری نمود ہے، لیکن تری سرثت میں ہے کوکبی و مد تابی
بھال اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے ہزار ہوش سے خوشنتر تری شکر خوابی
گراں بھا ہے ترا گریہ سحر گاہی اسی سے ہے ترے نخل کہن کی شادابی
تری نوا سے ہے بے پرده زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھو، زمیں دیکھو، فلک دیکھو، فضا دیکھو مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھو
اس جلوہ بے پرده کو پردوں میں چھپا دیکھو لایام جدائی کے ستم دیکھو، جھا دیکھو
بے تاب نہ ہو معرکہ نیم و رجا دیکھو!

بیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحراء، یہ سمندر یہ ہوا یہیں تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہِ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

سبھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے دیکھیں گے تھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تھیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تغیرِ خودی کر، اثر آہ رساد دیکھ!

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پہاں ہے ترے خون چکر میں
اے پیکر گل کوشش پیغمبر کی جزا دیکھ!

ناہنده ترے عود کا ہر تار ازل سے تو جس محبت کا خریدار ازل سے
تو بیرونِ صنم خانہ اسرار ازل سے محنت کش و خون ریز و کم آزار ازل سے
ہے راکبِ اقدیر جہاں تیری رضا، دیکھ!

پیر و مرید

مرید ہندی

چشم پھا سے ہے جاری جوئے خون علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

مرید ہندی

اے امام عاشقان درومند! یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند
خنک مغز و خنک تار و خنک پوت
از کجا می آید ایں آواز دوست،
دور حاضر مت چنگ و بے سرور بے ثبات و بے یقین و بے حضور

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے ، دوست کی آواز کیا
آہ ، پورپ با فروغ و تاب ناک
نغمہ اس کو سمجھتا ہے سونے خاک

پیر رومی

ہر ساعت راست ہر کس چیر نیست
طعہ ہر مرگکے انحصار نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

پیر رومی

دوست ہر نا اہل بیمارت کند
سونے مادر آکہ بیمارت کند

مرید ہندی

اے نگہ تیری مرے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکتہ حکم جہاد

پیررومی

نقش حق را ہم پہ امر حق ٹکن
بہ زجاج دوست سنگ دوست زن

مریدہندی

ہے نگاہ خاوراں سور غرب سور جنت سے ہے خوشنز سور غرب

پیررومی

ظاہر نظرہ گر اپسید است و نو
دست و جامہ ہم سیہ گردو ازوا!

مریدہندی

آہ کتب کا جوان گرم خون! ساحر افریق کا صید زیوں!

پیررومی

مرغ پر فارستہ چوں پڑاں شود
طعنه ہر گربہ ذراں شود

مریدہندی

تا کجا آویش دین و دلن جوہر جاں پر مقدم ہے بدن!

پیررومی

قلب پہلو می زندہ با زر بشب
انتخار روز می دارو ذہب

مریدہندی

سر آدم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماد کر

پیررومی

ظاہر ش را پشتہ آرد پھر خ
باٹش آمد محیط ہفت چرخ

مریدہندی

خاک تیرے نور سے روشن بصر غایت آدم خبر ہے یا نظر؟

پیررومی

آدی دید است ، باقی پوت است

دید آں باشد کہ دید دوت است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گفتار سے اخیں مرتی ہیں کس آزار سے؟

پیررومی

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود

زانگہ بر چندل گماں بر دند عود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو سرد کیوںکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیررومی

تا دل صاحب لے نام بے درد

یق قوے را خدا رسوا نہ کرد

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازار وجود کون سے سودے میں ہے مردوں کا سود؟

پیر رومی

زیریکی بفروش و جیرانی بخز
زیریکی نظم است و جیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم میں فتحیر بے کلاہ و بے گلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
ہ کہ بہ فرق سر شاہان روی

مرید ہندی

اے شریکِ مسی خاصان بدر میں نہیں سمجھا حدیث جبر و قدر!

پیررومی

بال بازاں را سوے سلطان برد

بال زاغاں را گبورستان برد

مریدہندی

کاروبار خروی یا رابی کیا ہے آخر غایت دین نبی ؟

پیررومی

مصلحت در دین ما جنگ و شکوه

مصلحت در دین عیشی نار و کوه

مریدہندی

کس طرح قابو میں آئے آب و گل کس طرح بیدار ہو سینے میں دل ؟

پیررومی

بندہ باش و بر زمیں رو چوں سمند

چوں جنازہ نے کہ بر گردن برد

مریدہندی

نر دیں اور اک میں آتا نہیں کس طرح آئے قیامت کا یقین؟

پیر رومی

پس قیامت شو قیامت را بیس
دین ہر چیز را شرط است ایں

مریدہندی

آسمان میں راہ کرتی ہے خودی صید مہر و مادہ کرتی ہے خودی
بے حضور و با فروع و بے فراغ اپنے پنچھروں کے ہاتھوں داغ داغ!

پیر رومی

آں کہ ارزد صید را عشق است و بس
لیکن او کے گنجید اندر دام کس!

مریدہندی

تجھے پر روشن ہے ضمیر کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیرروگی

دانہ باشی مرغکانت برچند
 غنچہ باشی کو کانت برکند
 دانہ پہاں کن سرپا دام شو
 غنچہ پہاں کن گیاہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کرتا ش طالب دل باش و در پیکار باش
 جو مرا دل ہے ، مرے سینے میں ہے میرا جوہر میرے آئینے میں ہے

پیرروگی

تو ہی گوئی مرا دل نیز ہست
 دل فراز عرش باشد نے ہ پت
 تو دل خود را دلے پنداشتی
 جتنوے اہل دل بگداشتی

مریدہندی

آسانوں پر مرا فکر بلند میں زمیں پر خوار و زار و درودند
کار دنیا میں رہا جاتا ہوں میں تھوکریں اس راہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کار زمیں ابلہ دنیا ہے کیوں دلتے دیں؟

پیررومی

آں کہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمیں رفتہ چہ دشوارش بود

مریدہندی

علم و حکمت کا ملے کیونکر سرانگ کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ

پیررومی

علم و حکمت زاید نان طال
عشق و رقت آید از نان طال

مرید ہندی

ہے زمانے کا تقاضاِ نجمن اور بے خلوت نہیں سوزِ خن!

پیر رومی

خلوت از اغیار باید ، نے زیار
پوئیں بھر دے آمد ، نے بھار

مرید ہندی

ہند میں اب فور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دیس میں ہیں تیرہ روز!

پیر رومی

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوہاں حیله و بے شرمی است

جبریل والبیس

جبریل

اہم دیرینہ کیسا ہے جہاں رنگ و بو؟

البیس

سوز و ساز و درد و داغ و جتبوے و آرزو

جبریل

ہر گھری افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو

کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو؟

البیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس راز سے

کر گیا سرمست مجھ کو ثوث کر میرا سبو

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ، ممکن نہیں

کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کوا

جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات
اس کے حق میں 'تقطوا' اچھا ہے یا 'لا تقطوا'؟

جریل

کھو دیے انکار سے تو نے مقامات بلند
چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبروا!

ابلیس

ہے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو
میرے فتنے جامد، عقل و خرد کا تاروپور
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفان کے طما نچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان یہم بہ یہم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھہ اللہ سے
قصہ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہوا

میں کھلتا ہوں دل بیزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجم سحر نے
آدم کو بھی دیکھا ہے کسی نے کبھی بیدار؟
کہنے لگا مرغ ، ادا فہم ہے تقدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا ، اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس کرکٹ شب کور سے کیا ہم کو سروکار!
بولا مہ کامل کہ وہ کوکب ہے زمینی
تم شب کو نمودار ہو ، وہ دن کو نمودار
واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے
اوپنجی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پر اسرار

آنوش میں اس کی وہ بھلی ہے کہ جس میں
کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار
ناگاہ فضا باگنگ اذال سے ہوئی لبریز
وہ نعرہ کہ بل جاتا ہے جس سے دل کھسرا!

محبت

شہید محبت نہ کافر نہ غازی محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
وہ کچھ اور شے ہے ، محبت نہیں ہے سکھاتی ہے جو غزوی کو لیازی
یا جوہر اگر کار فرمائیں ہے تو یہ علم و حکمت فقط شیشه بازی
نہ محتاج سلطان ، نہ مرعوب سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یا آدم گری ہے ، وہ آئینہ سازی

ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانیں سختی فضا کی تاریکی مری سرث میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافر شب ا خود چاغ بن اپنا کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط آنے پر)

دیوارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ گران فرنگ کے احسان سفال ہند سے بینا و جام پیدا کر
میں شاخ تاک ہوں، میری غزل بے میراث مرے شر سے مے، لالہ فام پیدا کر

مرا طریق امیری نہیں ، فتحی ہے
خودی نہ چیز ، غربی میں نام پیدا کرا

فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا ، یہ سپر برس ہے کیا!
سمجا نہیں تسلسل شام و سحر کو میں
اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں
ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو میں
کھلتا نہیں مرے سفر زندگی کا راز
لاؤں کہاں سے بندہ صاحب نظر کو میں
جیراں ہے بعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں
”جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں“

یورپ سے ایک خط

ہم خوگر محسوس ہیں ساحل کے خریدار اک بھر پ آشوب و پ اسرار ہے روئی
تو بھی ہے اسی تقابلہ شوق میں اقبال جس تقابلہ شوق کا سالار ہے روئی
اس عصر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چانغ رہ احرار ہے روئی

جواب

کہ باید خورد و جو نیکوں خراں آہوانہ در نتن چہ ارغواں
ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود ہر کہ نور حق خورد قرآن شود

نپولین کے مزار پر

راز ہے ، راز ہے تقدیر جہان ٹگ و تاز
جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

جوش کردار سے شمشیر سندر کا طلوع
 کوہ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز
 جوش کردار سے تیور کا سیل ہمہ گیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صف جنگاہ میں مردان خدا کی بھکیر
 جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز
 ہے مگر فرصت کردار نفس یا دو نفس
 عوض یک دو نفس قبر کی شب ہائے دراز!
 ”عاقبت منزل ما وادی خاموشان است
 حالیا غافله در گنبد افلک انداز“!

سوئیں

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ، ذوق انقلاب
 ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ، ملت کا شباب

ندرت فکر و عمل سے مجزات زندگی
ندرت فکر و عمل سے سُنگ خارا لعل ناب
رومته الکبرے! دگرگوں ہو گیا تیرا ضمیر
اینکہ می پیغم ہے بیدار یست یارب یا ہے خواب!
چشم پیران کہن میں زندگانی کا فروغ
نوجواں تیرے ہیں سوز آرزو سے سینہ تاب
یہ محبت کی حرارت ، یہ تمنا ، یہ نمود
فصل گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیر حباب
نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا معمور ہے
زخمہ در کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
فیض یہ کس کی نظر کا ہے ، کرامت کس کی ہے؟
وہ کہ ہے حس کی گنگہ مثل شعاع آفتاب!

سوال

اک مفلس خود دار یہ کہتا تھا خدا سے میں کر نہیں سکتا گھمہ درد فقیری
لیکن یہ بتا ، تیری اجازت سے فرشتے کرتے ہیں عطا مرد فرمادیے کو میری ؟

پنجاب کے دہقان سے

بتا کیا تری زندگی کا ہے راز ہزاروں برس سے ہے تو خاک باز
اسی خاک میں دب گئی تیری آگ سحر کی اڑاں ہو گئی ، اب تو جاگ !
زمیں میں ہے گو خاکیوں کی برات نہیں اس اندر ہرے میں آب حیات
زمانے میں جھونٹا ہے اس کا نگیں جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
تاناں شعوب و قبائل کو توڑ رسم کہن کے سلاسل کو توڑ
یہی دین محکم ، یہی فتح باب کہ دنیا میں توحید ہو بے چاب
بنخاک بدن دانہ دل فشاں
کہ ایں دانہ داروں حاصل نشاں

نادر شاہ افغان

حضور حق سے چلا لے کے لوئے لا لا
وہ ابر جس سے رگ گل ہے مش تار نفس
بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب
عجب مقام ہے ، جی چاہتا ہے جاؤں برس
صداء بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا
هرات و کابل و غزنی کا سبزہ نورس
سرشک دیدہ نادر بہ داغ لالہ فشاں
چنان کہ آتش او را دگر فروٹہ نشاں!

خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح سکتے نہیں قہتاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
ازا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی گرد سمند!

تاتاری کا خواب

کہیں سجادہ و نعماہ رہزرن کہیں ترسا بچوں کی چشم بے باک!

☆ خوشحال خاں ذکر پشتوزہان کا مشہور ولن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے
آزاد کرنے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمیعت قائم کی۔ قبائل میں صرف آفریدیوں نے
آخر دم تک اس کا ساتھ دیا۔ اس کی تربیا ایک سو نظموں کا اگرچہ ترجمہ ۱۸۲۴ء میں اندرن میں شائع ہوا تھا۔

روائے دین و ملت پارہ پارہ قبائے ملک و دولت چاک در چاک!
مرا ایماں تو ہے باقی ویکن نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہوائے تند کی موجود میں محصور سرقند و بخارا کی کف خاک!

‘مگرداً گرد خود چندانکہ یہم
بلا انگشتی و من گیم’☆

یکا یک ہل گئی خاک سرقند اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفق آمیز تھی اس کی سفیدی صدا آئی کہ ”میں ہوں روح تیمور
اگر محصور ہیں مردان تاتار نہیں اللہ کی تقدیر محصور
تفاضا زندگی کا کیا سمجھی ہے کہ تورانی ہو تورانی سے مجھو؟

‘خودی را سوز و تابے دیگرے وہ
جہاں را انقلابے دیگرے وہ’

☆ یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوی نے غالباً شرح اشارات میں اسے نقل کیا ہے۔

حال و مقام

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشم گمراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سائک کا زماں اور مکاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذان اور مجاهد کی اذان اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے ، شاہیں کا جہاں اور

ابوالعلامعری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا متری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

اک دوست نے بھونا ہوا تیر اسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
 یہ خوان تر و تازہ مری نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحب غفران* و لزومات*
 اے مرغک بیچارہ! ذرا یہ تو بتا تو
 تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس ، صد افسوس کہ شاہین نہ ہنا تو
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
 ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

☆ غفران۔ رسالتہ الغفران: مری کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے

☆ لزومات۔ اس کے اصحاب کا مجموعہ ہے

سینما

وہی بہت فروٹی ، وہی بہت گری ہے سینما ہے یا صنعت آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی ، شیوه کافری تھا یہ صنعت نہیں ، شیوه ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی ، یہ دوزخ کی مٹی
وہ بہت خانہ خاکی ، یہ خاکستری ہے

پنجاب کے پیرزادوں سے

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لمحہ پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذریعہ سے یہ شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
 اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
 آنکھیں مری پینا ہیں ، و لیکن نہیں بیدار!
 آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا تھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کلمہ فقر سے ہو طرہ دستار
باقی کلمہ فقر سے تھا ولولہ حق
تروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار!

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری شاطر کی عنایت سے تو فرزیں ، میں پیادہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ ناجائز فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ!

فقر

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو ٹخنیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں گیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و ڈگیری
اک فقر سے مئی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شیری ، اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی ، سرمایہ شیری!

خودی

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
یہ کہتا ہے فردوسی دیدہ ور عجم جس کے سرے سے روشن بصر
”ز بہر درم تند و بدخو مباش
تو باید کہ باشی ، درم گو مباش“

جدائی

سورج بُنتا ہے تار زر سے دنیا کے لیے روانے نوری
عالم ہے خوش و مست گویا ہر شے کو نصیب ہے حضوری
دریا ، کھسار ، چاند تارے کیا جائیں فراق و ناصوری
شلیاں ہے مجھے غم جدائی
یہ خاک ہے محروم جدائی

خانقاہ

رمز و ایما اس زمانے کے لیے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو خن سازی کا فن
”قم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو ، رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن!

اپیس کی عرض داشت

کہتا تھا عزازیل خداوند جہاں سے
پر کالہ، آتش ہوئی آدم کی کف خاک!
جان لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں، خرد پختہ و چالاک!
ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حوران بہشتی
ویرانی جنت کے تصور سے ہیں غم ناک؟
جمهور کے اپیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تھے افلاک!

لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسas
جسے ملا یہ متاع گراں بہا ، اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے ، نے غم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغ صحراء سے
ستم پہ غم کدھ رنگ و بو کی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا
شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالم ایجاد
دیا جواب اسے خوب مرغ صحرانے
غصب ہے ، داد کو سمجھا ہوا ہے تو بیدادا
جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذب خاک سے آزاد

شیخ مکتب سے

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روح انسانی
نکتہ دلپذیر تیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم قا آتی
”پیش خورشید بر کمش دیوار
خواہی ار صحی خانہ نورانی“

فلسفی

بلند بال تھا ، لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سر محبت سے بے نصیب رہا
پھر ا فضاوں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

شاہیں

کیا میں نے اس خاک داں سے کنارا جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو ازل سے ہے فطرت مری راہبائی
نہ باد بھاری ، نہ گلچیں ، نہ بلبل نہ بیماری نغمہ عاشقانہ
خیابانیوں سے ہے پہیز لازم اداگیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ
ہوائے بیباں سے ہوتی ہے کاری جوان مرد کی ضربت غازیانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا ، پلٹنا ، پلت کر جھپٹنا ابو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
یہ پورب ، یہ پھتم چکوروں کی دنیا مرا نیگاون آسمان نیکرانہ

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

باغی مرید

ہم کو تو میر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بکلی کے چڑاغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پُختے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں مند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نیشن!

ہارون کی آخری نصیحت

ہاروں نے کہا وقت ریتل اپنے پسر سے
جائے گا کبھی تو بھی اسی را گزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہرِ فیضات سے

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں بھر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

پورپ

تاؤک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سودخوار
جن کی رو باہی کے آگے بیچ ہے زور پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے کپکے ہوئے پچل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھوٹی میں فرگ!

(ماخوذ از نظر)

آزادی افکار

جو دوئی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اس مرغک بیچارہ کا انعام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر

ساکنانِ دشت و صحرائیں ہے تو سب سے الگ
کون ہیں تیرے آب و خد، کس قبیلے سے ہے تو؟

نچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبا رفتار ، شاہی اصلبل کی آبروا!

(ناخواز جہنم)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پاکمال و خوار و پریشان و دردمند
تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاک راہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

قطعہ

فطرتِ مری مانندِ نیم سحری ہے
رفوار ہے میری کبھی آہستہ ، کبھی تیز
پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو
کرتا ہوں سر خار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

کل اپنے مریدوں سے کہا پیر مغاں نے
قیمت میں یہ معنی ہے درناب سے دہ چند
زہرا ب ہے اس قوم کے حق میں مے افرگ
جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہمدرد